کتاب پر تبصرہ

کتاب کا نام : کتب خانہ

مصنف : رضا علی عابدی

ناشر : سنگ میل پبلی کیشنز

سال اشاعت : ۲۰۱۰ء

صفحات : ۱۴۹

قیمت : ۲۵۰ روپے

تبصرہ نگار : ڈاکٹر فرح گل بقائی*

کتب خانہ دراصل بی بی سی ریڈیو کا دستاویزی پروگرام تھا جسے کتاب کی شکل دی گئی ہے اِس کتاب میں برصغیر میں پھیلے کتب خانے زیر موضوع ہیں۔ یہ ایک دلچسپ مقالہ ہے اس میں ڈیرہ اسماعیل خان کی پہاڑیوں سے لے کر مدراس کے ساحلوں تک اور بنگال کے کھیت کھلیان سے راجستھان کے ریگزاروں تک جہاں جہاں کتابوں کو سنبھالہ گیا ہے مصنف نے وہاں وہاں رسائی حاصل کی اور کتابوں، دستاویزات، مختلف حضرات کی عقیدت اور علم دوستی اور محافظ علم کے اہم فریضہ کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے اس بات کی قارئین سے اپیل کی ہے کہ پاکستان، بھارت میں پبلک اور ذاتی کتب خانوں، مدرسوں، خانقاہوں، گھروں میں بیش بہا کتابوں کا ذخیرہ ہے جو اگر یکجا کی جائیں تو دنیا کا سب سے بڑا کتب خانہ وجود میں آ جائے اور

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ و ثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اگر اس کا تحفظ نہ کیا گیا اور اس کام کو جلد نہ کیا گیا تو ہمارے ہاتھوں سے علم کا بہت بڑا سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔

اس کتاب کی بیشتر گفتگو اردو، فارسی اور عربی کتابوں اور دستاویزوں کے حوالے سے ہے۔

برطانیہ میں اردو کے نامور محقق اور استاد رالف رسل نے اس کتاب کا مسودہ پڑھا اور پیش لفظ لکھا۔

کتاب عشق کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اب اس میں شک نہیں ہماری کتابیں ملک سے باہر چلی جا رہی ہیں وہاں انہیں بڑی احتیاط اور احترام سے محفوظ کیاجاتا ہے۔ فیومی گیشن ہوتا ہے۔ ائر کنڈیشن کمروں میں رکھا جاتا ہے کتابوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان سے عشق چاہیے ساتھ ہی ساتھ علم کا عشق چاہیے۔ مگر اب علم بھی نہیں ہے اور عشق بھی نہیں۔ ہمارے گھروں میں نئی ایجادات ریڈیو اور میڈیا نے لے لی ہے۔ اب سب کچھ ہے کتابیں نہیں ہیں۔

بقول گوپی چندر نارنگ:

> ''کتابیں پوری بنی نوع انسان کی میراث ہیں اور ان کے تحفظ کے لیے جتنی بھی کوشش آپ کر سکیں اور اس سلسلے میں جتنی بھی بیداری آپ پیدا کر سکیں یہ بہت ہی مستحسن اقدام ہو گا۔''

ہندوستان میں صاحب حیثیت مسلمانوں کے گھروں میں تین کمرے ضرور ہوتے تھے۔ یہ تین تھے۔ مہمان خانہ، کتب خانہ اور اسلحہ خانہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ صرف حیدرآباد دکن میں چار ہزار کتب خانے تھے۔

مصنف کی ملاقات ایسے بزرگوں سے بھی ہوئی جنہوں نے ایسی کتابیں دیکھیں جن کو سونے اور چاندی کے پانی سے لکھا گیا۔

کتابوں سے عقیدت اور احترام اور ان کو پڑھنے کاجنون ایک زمانے میں مسلمانوں کا طرہ امتیاز تھا۔ وقت کے دھارے میں غوطے لگاتے جدت کا شکار انسان ان میں سے کچھ

اب بھی کتابوں کی پاسداری کے کام میں ہمہ جہت مصروف ہیں ان میں ایک علیگڑھ یونیورسٹی ہے۔ یہاں پر کتابوں کو محفوظ رکھنے کے مختلف سیکشن ہیں۔ ایک کتاب کے صفحہ کہیں سے پھٹ جائے تو وہاں باریک چیپی بڑی مہارت سے لگاتے ہیں۔ ایسی کتابیں جن کے صفات وقت کے ساتھ ردی اور خراب ہونے کااندیشہ ہو ان پر باریک کاغذ یا پلاسٹک کی کوٹنگ کی جاتی ہے۔ غرض کہ کتاب کو اچھی حالت میں رکھنے کے لیے معاون عملہ بھی ساتھ کتب خانے کے منسلک رکھا ہے۔

سرکار انگلشیہ نے جب برصغیر میں بڑے کتب خانے قائم کرنے کا فیصلہ کیاتو ان کی نگاہ ہندوستان کے دو بازوؤں پر پڑی۔ بڑی لائبریریوں کے لیے ایک جانب انہوں نے کلکتے کو چُنا اور دوسری طرف لاہور کو۔

ناشر اپنی کتابیں قومی کتب خانے میں جمع کرانے کے قانون کو اپنے اوپر لاگو نہیں کرتے۔ اصولی طور پر نئی کتاب کی ایک کاپی نیشنل لائبریری اسلام آباد میں جمع ہونی چاہیے۔

لاہور میں شاہ جہاں کے دور کی شاندار بارہ دری کو کتب خانے میں تبدیل کیا گیا اور اسی طرح پنجاب پبلک لائبریری وجود میں آئی جس کے قیام کو ایک سو سال پورے ہو رہے ہیں مگر بدقسمتی سے یہ سو سال ترقی کے نہیں مسلسل زوال کے ہیں۔

پھر بھی تین سرکاری کتب خانے ہندوستان کے ایسے ہیں جن پر جتنا بھی ناز کیا جائے کم ہے۔ ان میں اول خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ہے۔ اس کے بعد یو پی کی رام پور رضا لائبریری ہے اور تیسرا شاندار ذخیرہ جو ابھی تک لوگو کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ راجستھان کے شہر ٹونک میں ہے اور وہ ہے ''عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ''۔

ان اداروں کے متعلق بقول علامہ اقبال یہ خزانے ہیں علم و حکمت کے اور کتابیں اپنے آباء کی بھری پڑی ہیں اور منتظر ہیں کہ کوئی قدر شناس آئے اور ان جوہروں سے اپنے علم کا دامن بھربھرے جائے۔ تعلیمی اداروں کے بعد وہ کتب خانے آتے ہیں جو تحقیقی

اداروں سے وابستہ ہیں اور خوش قسمتی سے برصغیر میں جیسے جیسے تحقیقی ادارے کھل رہے ہیں اسی رفتار سے کتب خانہ بھی قائم ہو رہے ہیں۔ پاکستان میں اقبال اکیڈمی، ہندوستان میں غالب اکیڈمی اپنے اپنے کتب خانے قائم کر رہی ہے۔ تحریک آزادی کے موضوع پر علیحدہ تحقیقی کتب خانے کھل رہے ہیں اور ادبیات کے عنوان سے کتنے ہی کتب خانے وجود میں آئے ہیں۔

سندھ کے قدیم شہر حیدرآباد کو تین تحقیقی اداروں اور ان سے منسلک کتب خانوں کی ملکیت کا اعزاز حاصل ہے۔ اول جامعہ سندھ انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی ہے۔ دوم سندھ ادبی بورڈ ہے۔ جس کے پاس نایاب کتابوں کا خزانہ ہے اور ان سے بڑھ کر حیدرآباد سندھ کی شاہ ولی اللہ اکیڈمی جہاں تاریخ اسلام پر اتنی نایاب کتابیں جمع ہیں کہ اس خطے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

جن دنوں رضا علی عابدی برصغیر کے کتب خانوں کے سفر پر جا رہے تھے ان کی فیض احمد فیض سے ملاقات ہوئی۔ مصنف نے فیض کو بتایا کہ وہ ایک مہینہ کے لیے بڑے کتب خانے، قدیم دستاویزات اور کتابوں کا حال جاننے کے سفر پر نکلیں گے۔ فیض کو سننے میں مغالطہ ہوا کہنے لگے ایک سال تو کم ہے مصنف لکھتے ہیں:

> میں نے پاکستان اور ہندوستان کا سفر شروع کیا تو احساس ہوا کہ چھوٹے بڑے کتب خانوں کا حال جاننے کے لیے ایک سال نہیں ایک عمر درکار ہے اور عمر بھی ایسی جس میں ہر برس کے پچاس ہزار دن ہوں۔

انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی میں صرف سندھ کے موضوع پر پچپن ہزار کتابیں جمع ہیں اور ان میں زیادہ تر اب نایاب ہیں۔ جام شورو میں سندھ یونیورسٹی سے وابستہ اس ادارے میں بڑے کتب خانے کے ساتھ قدیم کتابوں کو محفوظ کرنے کے وہ تمام انتظامات بھی ہیں جو مغربی ترقی یافتہ ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔

وہاں فیومی گیشن چیمبرز ہیں جن کے اندر رکھی ہوئی پرانی کتابوں کے کیڑے مکوڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ سیلن نکل جاتی ہے اور پرانا کاغذ گلنے سے بچ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کتاب کے ہر ورق پر جھلی جیسا کاغذ چڑھانے کا بندوبست بھی ہے جس کے بعد پرانا

کاغذ صدیوں کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی میں کتابوں کے ایک ایک صفحے کی چھوٹی سی فلم بنانے کے جدید انتظامات بھی ہیں اور ان میں مائیکرو فلمنگ کے علاوہ ہر صفحے کی چھوٹی سی فلم بنانے کے جدید انتظامات بھی ہیں۔ اس کے ساتھ فوٹو کاپی کے آلات بھی میسر ہیں۔

پرانی کتابوں کی جلد سازی اور از سر نو جلد بندی کا انتظام بھی ہے اور قابلِ دید کتابوں کو شوکیس میں سجایا ہے اور اس کتاب کے بارے میں ضروری معلومات تحریر کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہاں ایسی بہت سی کتابیں ہیں کہ انھی پڑھنا تو رہا ایک طرف دیکھنا ہی نصیب ہو جائے تو خود کو خوش نصیب جانیں۔

سندھ یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں بھی کتابوں کا بڑا ذخیرہ ہے اور وہاں پانچ چھ سو قلمی کتابیں موجود ہیں جن کی اب مائیکرو فلم بنائی جا رہی ہے۔ تا کہ ان کا عکس ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔

کوٹڑی محمد کبیر کے بعد سندھ میں نایاب کتابوں کا دوسرا بڑا ذخیرہ بھی ایک چھوٹے سے قصبے منصورہ میں ہے۔ منصورہ کا دینی علوم کا مدرسہ، جہاں یہ کتابیں موجود ہیں عالم اسلام میں بہت مشہور ہے۔ چنانچہ اس میں مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ سے طالب علم بڑی تعداد میں آتے ہیں۔

لاڑکانہ کے قریب پیر جو گوٹھ میں پیر نجیع اللہ شاہ کا کتب خانہ موجود ہے۔ جو بڑا علمی سرمایہ ہے۔ پیر صبغت اللہ شاہ مرحوم کی لائبریری میں علم کے جواہر سے بھری ہوئی ہے۔ ان میں زیادہ تر کتابیں حدیث، تاریخ، صرف و نحو، فقہ، لسانیات کے موضوع پر ہیں۔

ذاتی کتب خانوں میں مولانا قاسمی، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، جی ایم سید، میر علی احمد تالپور، شیخ ایاز، پیر حسام الدین راشدی اور محمد سعید صدیقی شامل ہیں۔

بھوپال میں سب سے بڑا کتب خانہ ''مولانا آزاد لائبریری'' ہے۔

کتابوں کی دنیا سے دستاویزات کا احوال بھی سن لیں جو مصنف نے ممتاز دانشور اور افسانہ نگار قدرت اللہ شہاب سے سنا۔ شہاب صاحب نے خلیج بنگال کے ساحلی گاؤں میں

ایسی کتابیں اور مخطوطات دیکھیں جو عربی، ہندی اور اُردو میں تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ کسی زمانے میں تاجر اور ملاح وہاں آتے جاتے تھے اور وہ وہاں چھوڑ گئے۔

جھنگ میں پوسٹنگ کے دوران قدرت اللہ شہاب صاحب کو ہیر رانجھا پر تحقیق کا شوق چرایا یہ داستان ضلع جھنگ کی ہے۔ ڈپٹی کمشنر کے ریکارڈ آفس کا ریکارڈ چیک کروایا تو شہاب صاحب مرزا صاحباں کی تیسری پیڑھی تک پہنچ گئے۔ ریکارڈ تو ہر ڈپٹی کمشنر کے آفس میں موجود ہے مگر اس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ریکارڈ کو محفوظ کیا جائے تا کہ تاریخ بینی میں سہولت ہو۔

شہاب صاحب ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں مصنف سے کہ پاکستان اور ہندوستان کے سربراہان اعلیٰ یعنی فیلڈ مارشل ایوب خان اور آنجہانی پنڈت جواہرلعل نہرو ملکی اُمور پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ کہ جواہرلعل نہرو نے ایوب خان سے یک دم پوچھا ''فیلڈ مارشل انڈیا آفس لائبریری کا کیا ہو گا'' اس موضوع پر ایوب خان کو کسی نے بریف نہیں کیا تھا تو انہوں نے شہاب صاحب کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم جواب دو۔ شہاب صاحب نے کہا ''سر آپ دونوں سے میری درخواست ہے کہ اسے تقسیم نہ کیا جائے۔ یہ جہاں ہے وہیں رہے اور دونوں ممالک کے سکالرز کو اور طالب علموں کو وظیفے دیں کہ وہ وہاں جا کر اس سے استفادہ کریں اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اہم بات یہ نہی کہ کتاب کہاں رہے؟ اہم بات یہ ہے کہ جہاں رہے۔ سلامت رہے۔